ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی انگریزی تصانیف

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی چاروں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ بنیادی طور پر وہ محقق ہیں، اُن کی تحقیقی کاوشیں نہ صرف شعر و ادب سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ تاریخ و سوانح سے بھی اتنا ہی تعلق رکھتی ہیں۔ جب وہ فارسی شاعر سید حسن غزنوی پر کام کر رہے تھے جو بہرام شاہ غزنوی کے دربار سے وابستہ تھا تو انہیں خود بہرام شاہ غزنوی کی ذات سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جیسے ہی حسن غزنوی پر انہوں نے اپنا تحقیقی کام مکمل کیا، بہرام شاہ غزنوی کی زندگی، شخصیت و سیرت، اور کامیابیوں اور ناکامیوں کی بارے میں مستند و معتبر معلومات کی فراہمی کا کام شروع کردیا اور اسی تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں "تاریخ بہرام شاہ غزنوی" مرتب ہوگئی جسے پہلے تو ڈاکٹر صاحب نے حیدرآباد(دکن) کے موقر مجلے "اسلامک کلچر" میں بالاقساط چھپوایا؛ پھر کتابی صورت میں " اے ہسٹری آف بہرام شاہ آف غزنیں " کے عنوان سے کاروان بک ہاؤس لاہور کے تعاون سے سنہ ۱۹۵۵ء میں شائع کرایا۔ مشہور محقق علامہ محمد شفیع مرحوم نے کتاب کا پیش لفظ لکھا اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے

کام کی اهمیت و افادیت پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر ضیاءاحمد بدایونی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی یہ کتاب اپنے اِسی محبوب استاد کے نام معنون کی ہے۔

فاضل محقق نے کتاب کو انیس ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کے عنوانات یہ ہیں: (۱) بہرام شاہ کے والدین (۲) بہرام کی پیدائش (۳) تختِ سلطنت کے لیے بہرام کا دعویٰ (۴) ملک ارسلان سے بہرام کی لڑائیاں (۵) بہرام کی تخت نشینی (۶) بہرام شاہ کا نام اور خطابات و القاب (۷) بہرام کا علم اور خیمہ و خرگاہ (۸) ہندوستان پر بہرام کے حملے (۹) بہرام کے غوریوں سے مقابلے (۱۰) غوریوں کا غزنی پر پہلا قبضہ (۱۱) بہرام کا غزنی پر قبضہ (۱۲) غوریوں کا غزنی پر دوبارہ قبضہ (۱۳) غزنی کی تباہی و غارت گری (۱۴) غزنی کی بربادی کی تاریخ (۱۵) بہرام کا غزنی سے فرار اور دوبارہ قبضہ (۱۶) بہرام کی وفات (۱۷) بہرام کی ادب دوستی (۱۸) بہرام کی سیرت و کردار (۱۹) بہرام کی اولاد اور وزراء۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بہرام شاہ غزنوی، سلطان مسعود غزنوی سوم کا بیٹا اور ملک ارسلان کا سوتیلا بھائی تھا، بعض مورخین نے اُسے ملک ارسلان کا چچا لکھا ہے جو غلط ہے۔ اسی طرح بعضوں نے مہد عراق بنت چغرئی بیگ داوٗد کو بہرام شاہ کی والدہ قرار دیا ہے؛ وہ ملک ارسلان کی والدہ تھی۔ بہرام شاہ، ملک ارسلان سے چھوٹا تھا۔ مسعود سوم کو ملک ارسلان نے قتل کرا کے خود تخت پر قبضہ کر لیا، اس وقت بہرام شاہ تکین آباد میں تھا جہاں سے وہ کرمان چلا گیا، وہاں ارسلان شاہ بن کرمان شاہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور

سلجوقی سلطان سنجر سے فوجی امداد کے لیے سفارش کی۔ سنجر نے بہرام شاہ کی بڑی قدر کی اور ملک ارسلان کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کی۔ ملک ارسلان کی شکست پر سنجر غزنہ میں داخل ہوا اور بہرام شاہ کو غزنوی تخت پر بٹھا دیا اور ایک ہزار دینار یومیہ خراج اس کے ذمے مقرر کیا۔ سنجر واپس چلا گیا تو ملک ارسلان نے بہرام شاہ پر حملہ کیا، وہ مقابلے کی تاب نہ لاکر قلعۂ بامیان میں چھپ گیا۔ سنجر نے اس کی مدد کے لیے فوج بھیجی جس نے ملک ارسلان کو قید کرلیا۔ بہرام شاہ نے کچھ عرصے کے بعد اسے رہا کر دیا لیکن اسے پھر بغاوت پر آمادہ دیکھا تو قتل کروا دیا۔ بہرام شاہ کا علم اپنے بزرگوں کی طرح اور عباسیوں کی تقلید میں سیاہ تھا۔ جب والیٔ پنجاب نے بغاوت کی تو بہرام شاہ نے لاہور پر فوج کشی کر کے اسے گرفتار کرلیا، اس نے معافی مانگی تو رہا کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے پھر بغاوت کی اور بہرام شاہ نے آکر اسے شکست دی، لڑائی میں یہ باغی اور اس کے بیٹے مارے گئے اور حسین ابن ابراہیم علوی کو پنجاب کا والی مقرر کیا گیا۔ بہرام شاہ پر سلطان سنجر سلجوقی نے جو یومیہ ایک ہزار دینار خراج مقرر کیا تھا وہ سنہ ۵۲۹ھ م سنہ ۱۱۳۵ء میں بہرام شاہ نے دینا موقوف کر دیا۔ سنجر اس کی سرکوبی کے لیے عازمِ غزنہ ہوا۔ بہرام شاہ بھاگ کھڑا ہوا، پھر بڑی مشکل سے سنجر کو راضی کیا، اس نے بہرام کو معاف کر کے پھر غزنہ اس کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد غوریوں سے بہرام شاہ کی لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ عزالدین حسین غوری جسے مسعود غزنوی سوم نے غور کی گورنری پر مامور کیا تھا، اس کا بیٹا قطب الدین محمد غوری جو ملک الجبال کے لقب سے مشہور ہوا سنہ ۵۴۳ھ م ۱۱۴۸ء

میں غزنہ آیا - بہرام شاہ نے اسے اپنی دامادی میں لے لیا تو وہ تخت حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کی بد نیتی کا جب بہرام شاہ کو اندازہ ھوا تو اسے راستے سے ھٹانے کے لیے بہرام شاہ نے اسے زھر دلوا دیا ۔ قطب الدین کا بھائی سیف الدین سوری جو اس کے ساتھ ھی ٹھہرا ھوا تھا بھاگ کر فیروز کوہ چلا گیا جو غور کا دارالحکومت تھا وھاں سے اپنے اور دو بھائیوں بہاءالدین سام اور علاءالدین حسین کو ساتھ لے کر غزنہ پر حملہ کردیا۔ بہرام شاہ حملے کی تاب نہ لا کر فرار ھو گیا۔ سیف الدین سوری نے غزنہ پر قبضہ کر کے سلطان کا لقب اختیار کرلیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب اس کے دونوں بھائی اپنی فوج سمیت واپس ھوگئے، برفباری شروع ھوگئی اور غزنہ سے غور کے راستے بند ھوگئے تو بہرام شاہ کو اھلِ غزنہ نے بُلا بھیجا؛ وہ یکا یک ایک رات حملہ آور ھوا اور نہ صرف سیف الدین سوری کو بلکہ اس کے وزیر کو بھی گرفتار کر کے سولی پر چڑھادیا، یہ فتح محرم سنہ ۵۴۴ ھ م مئی سنہ ۱۱۴۹ء میں ھوئی۔ سیف الدین سوری کا بھائی علاءالدین حسین جب غور کا حاکم ھوا تو جلد ھی وہ ایک بڑی فوج لے کر غزنہ پر حملہ آور ھوا - یہ سنہ ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء کا واقعہ ھے۔ بہرام شاہ کو شکست ھوئی اور وہ بھاگ نکلا، لیکن علاءالدین حسین نے غزنہ کو تباہ و برباد کردیا اور اس قدر آتش زنی کی اسے "جہاں سوز" کے نام سے یاد کیا گیا۔ جہاں سوز کا حوصلہ اس فتح سے اس قدر بڑھ گیا کہ اب اس نے سلطان سنجر سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ اس کی جنگ سنجر سے ھرات کے قریب اوبہ میں ھوئی لیکن وہ ناکام رھا اور سنجر کے ھاتھوں گرفتار ھوگیا۔ آخرکار جب غز ترکوں سے سنجر کی جنگ ھوئی تو اس سے کچھ پہلے وہ رھا کردیا گیا ۔ علاءالدین حسین جہاں سوز کی گرفتاری کے زمانے میں تقریباً ایک سال کے بعد

سنہ ۵۴۷ھ م سنہ ۱۱۵۲ء میں بہرام شاہ پھر غزنہ واپس آیا۔ وہ سنہ ۵۵۲ھ م سنہ ۱۱۵۷ء تک زندہ رہا۔

بہرام شاہ بڑا ادب دوست اور معارف پرور بادشاہ تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے شعرأ اور اہل قلم جمع تھے، مثلاً سید حسن غزنوی ، حکیم سنائی ، مسعود سعد سلمان، ابو المعالی نصراللہ، سید الشعرأ روحانی ، محمد ابن ناصر علوی ، حسن بن ناصر علوی ، علی ابو رجا، فخرالدین محمد، شمس‌الدین مبارک شاہ وغیرہ۔ کتب تواریخ میں بہرام شاہ کے دس بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ اس کے وزرأ میں ابو محمد حسن بن ابو نصر منصور ، عبدالحمید بن احمد، احمد اور قوام‌الدین حسن بن احمد اور حسین بن حسن کے نام ملتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام‌مصطفیٰ خاں نے بہرام شاہ غزنوی کے بارے میں مستند و معتبر معلومات جمع کرنے کے لیے نہ صرف تاریخی کتابوں سے مدد لی ہے بلکہ اس دور کے شعرا کے کلام سے بھی مدد لے کر نتائج اخذ کیے ہیں اور یہ کام وہی کرسکتے تھے، کسی دوسرے کے لیے مشکل تھا کہ شاعری، خصوصاً قصیدوں کی زبان اور اشارات و تلمیحات وغیرہ کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو شعری ذوق کے مالک ہوں۔ فاضل محقق نے کئی مورخین کی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے اور ان کی تصحیح بھی۔ تحقیقی تحریر کس طرح لکھی جاتی ہے، حوالے کس طرح دیے جاتے ہیں، نتائج کس طرح اخذ کیے جاتے ہیں، یہ سب باتیں اس کتاب کے مطالعے سے سیکھی جا سکتی ہیں۔ اگر ہمارے نوجوان محققین اس کتاب کے نمونے پر اپنی تحقیقی کاوشیں مرتب کریں تو اپنے کام کو وقیع اور معتبر بنا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی دوسری انگریزی تصنیف جنوبی ایشیا کے فارسی گو شاعروں اور نثر نگاروں سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ برق اینڈ کمپنی لاھور نے سنہ ۱۹۷۲ء میں "پرشین لٹریچر اِن دی انڈو۔ پاکستان سب کانٹی ننٹ" کے عنوان سے شائع کی تھی۔ اس کا پیش لفظ خود ڈاکٹر صاحب نے لکھا اور اسے اپنے ھونہار شاگرد ڈاکٹر جمیل جالبی کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب برعظیم پاکستان و ھند کے فارسی شعرأ و ادبأ کے ایک مختصر مگر جامع تذکرے کی حیثیت رکھتی ہے جسے معتبر اور جامع بنانے کے لیے فاضل مصنف نے بڑی محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ بے شمار مآخذ اور منابع سے استفادہ کیا ہے اور بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر شاعر و ادیب کے کلام یا نثری عبارت کے نمونے بھی پیش کیے ھیں۔ اس میں جملہ ۱۰۳ شاعروں اور ۵۲ نثر نگاروں کا مختصر احوال اور نمونۂ نظم و نثر شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں ایک اشاریہ بھی ترتیب دیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ شعرأ اور نثر نگاروں کا تذکرہ ان کی تاریخ وفات کے لحاظ سے زمانہ وار مرتب کیا گیا ہے۔ اس سے زبان اور طرز ادا میں جو ارتقائی تبدیلیاں وجود میں آئی ھیں ان کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلا شاعر جو اس تذکرے میں شامل ہے ابو عبداللہ نکاتی لاھوری ہے جو سلطان مسعود اول کے زمانے کا شاعر ہے یعنی گیارھویں صدی عیسوی کے نصفِ اول کا۔ اس کے بعد حضرت علی بن عثمان ھجویری کا ذکر ہے جو داتا گنج بخش کے نام سے معروف ھیں اور جو سنہ ۱۰۷۶ء میں فوت ھوئے۔ پھر ابو الفرج رونی، مسعود سعد سلمان، عمیدالدین سنامی، فخرالدین عراقی، شیخ عثمان

لال شہباز کا تذکرہ ہے۔ آخر الذکر کی مشہور غزل فاضل مصنف نے بطور نمونہ دی ہے جس کا مطلع ہے:

ز عشقِ دوست ہر ساعت درونِ نار می رقصم
گہے بر خاک می غلطم، گہے بر خار می رقصم

اس کے بعد حضرت ابو علی قلندر پانی پتی کا ذکر ہے اور پھر امیر خسرو کا۔ اس کے بعد حسن دہلوی، بدر چاچ، ضیا نخشبی، مُطہر، مسعود بک اور جمالی کا تذکرہ ہے، اور یہاں مغلیہ دور سے پہلے کے شاعروں کا بیان ختم ہوجاتا ہے۔

مغلیہ دور کے شاعروں میں فاضل مؤلف نے سب سے پہلے خود بابر کا ذکر کیا ہے اور اس کے کلام کا نمونہ دیا ہے۔ اس کے بعد ہمایوں، بیرم خاں، نادری، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ طاہر کلواندی، خواجہ ایوب، قاسم کاہی، شیخ عبدالواحد بلگرامی، شیخ امان اللہ، شیخ گدائی، میر ویسی، خواجہ حسین، اکبر اعظم، غزالی مشہدی کا بیان ہے جس کے بعد فیضی کا تذکرہ ہے۔ فیضی کے کلام کے نمونوں میں وہ مشہور غزل بھی شامل ہے جس کا مطلع ہے۔

اے ہم نفسانِ محفلِ ما رفتید ولے نہ از دلِ ما

فیضی کے بعد عبدالرحیم خانخاناں اور پھر ثنائی مشہدی، نظیری، مائلی، نوری، تقی الدین شوستری، جدائی، حیاتی، میر دوری، سرمدی، ملا شیری، عرفی، نامی، ظہوری، طالب آملی، جہانگیر شیدا، شکیبی، ملا لطفی، ہاشم کشمی، منیر لاہوری، شاہجہاں اور قدوسی کا تذکرہ ہے، وہی قدسی جس کی مشہور نعت کا مطلع زبان زدِ خاص و عام ہے۔

مرحبا ، سیدِ مکی، مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت، چہ عجب خوش لقبی

اس کے بعد ابو طالب کلیم ، ظفر خاں احسن، شیخ محمد محسن، مرزا صائب ، سعیدائی اور دارا شکوہ کا تذکرہ ہے ۔ پھر اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے شعرأ آتے ہیں جن میں سرمد ، غنی کاشمیری ، چندر بھان برھمن، ملا محمد سعید اشرف ، خوشحال خٹک، مرزا فطرت، عاقل خاں رازی، ناصر علی سرھندی، غنیمت کنجاھی ، سید حسین خالص ، یکتا ، نعمت خاں عالی، وحدت اور بیدل شامل ھیں۔ اس کے بعد عبدالجلیل بلگرامی، سعداللہ گلشن ، عبدالحکیم عطا ، سراج الدین آرزو ، میر درد ، غلام علی آزاد ، شیخ علی حزیں ، علی شہر قانع ، عظیم ، منت ، میر تقی میر ، قتیل ، انشا ، مومن ، صہبائی ، شیفتہ اور مرزا غالب کے تذکرے اور نمونۂ کلام پر مغلیہ دور ختم ھو جاتا ھے۔

برطانوی حکومت کے دور کے شعرأ میں فاضل مؤلف نے حالی، شبلی ، زیب ، گرامی اور اقبال کو شامل کیا ھے ، اقبال کے کلام کے نمونوں میں حسبِ ذیل منظومات بھی شامل کی ھیں:

رخت بہ کاشمر کشا ، کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں، لالہ چمن چمن نگر
آشنا ھر خار را از قصۂ ما ساختی
در بیابانِ جنوں بُردی و رسوا ساختی

غرض مختصر یہ کہ برعظیم پاکستان و ھند کے فارسی گو شعرأ کا یہ تذکرہ ایک حوالے کی کتاب کی حیثیت رکھتا ھے ، جس میں کلام کے نمونے شاعروں کے طرز و اسلوب کی پوری پوری نمائندگی کرتے ھیں۔

فارسی میں نثر لکھنے والوں کا تذکرہ فاضل مؤلف نے کتاب کے دوسرے حصے میں کیا ہے۔ برعظیم پاکستان و ہند کے اولین فارسی نثرنگار داتا گنج بخش ہیں جن کی کتاب "کشف المحجوب" شہرۂ آفاق ہے۔ دوسرے نمبر پر فخرالدین مبارک شاہ کا ذکر ہے جس نے اپنی "تاریخ فخرالدین مبارک شاہ" تیرہ سال کی مدت میں لکھی، یہ تاریخ ۱۲۰۶ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کا تذکرہ ہے جس کا لکھا ہوا فتح نامۂ سندھ چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے، محمد بن قاسم کے فتوحات اور انتظامات کے بارے میں یہ اولین معتبر مستند مأخذ ہے۔ علی بن حامد کا انتقال ۱۲۲۰ء میں ہوا۔ پھر تاج الدین حسن نظامی ولد نظامی عروضی کا ذکر ہے جس کی تاریخی تصنیف تاج المآثر مشہور ہے اور جو اپنی پر تصنع و پُرتکلف اسلوب کی وجہ سے معروف ہے۔ اس کے بعد محمد عوفی کا تذکرہ ہے جس کی کتابیں لباب الالباب اور جوامع الحکایات مشہور ہیں۔ اول الذکر تذکرۂ شعرأ ہے اور آخر الذکر سبق آموز واقعات و حکایات کا مجموعہ۔ یہ دونوں کتابیں تیرھویں صدی کے نصفِ اول میں لکھی گئیں۔ عوفی کے بعد منہاج سراج کا ذکر ہے جس کی 'طبقات ناصری' مشہور ہے۔ یہ ایک ضخیم تاریخی کتاب ہے جس میں تمام انبیأ و رُسل، خلفأ و سلاطین اور حاکموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کا اسلوب، تصنع سے پاک، سادہ اور رواں ہے۔

منہاج سراج کے بعد امیر خسرو کا ذکر ہے جو نثرنگاری میں ویسے ہی ممتاز ہیں جیسے شاعری میں۔ نمونے کے طور پر فاضل مؤلف نے خزائن الفتوح اور اعجاز خسروی سے اقتباسات دیے

ھیں۔ خسرو کے بعد ان کے ھمعصر اور پیر بھائی حسن سجزی کا تذکرہ ھے جن کی تصنیف فوائدالفواد مشہور ھے۔ پھر طوطی نامہ کے مصنف ضیاءالدین نخشبی کا ذکر ھے جو ۱۳۵۰ء میں فوت ھوئے۔ طوطی نامہ کی نثر مقفیٰ ھے۔ لیکن اسی مصنف کی دوسری نثری تصنیف سلک السلوک غیر مقفیٰ سادہ اسلوب میں ھے۔ اس کے بعد ضیاءالدین برنی کا بیان ھے جو تاریخ فیروز شاھی کا مصنف ھے،۔ پھر امیر خورد کا تذکرہ ھے جن کا اصلی نام سید مبارک کرمانی تھا، وہ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں سے متعلق سوانحی کتاب سیرالاولیأ کے مصنف ھیں اور سادہ اسلوب کے حامل ھیں۔ اس کے بعد مشہور صوفی بزرگ یحییٰ منیری کا ذکر ھے جو کئی صوفیانہ کتابوں اور مکتوبات کے مصنف ھیں۔ پھر تذکرہ آتا ھے شمس سراج عفیف کا جن کی تاریخی کتاب تاریخ فیروز شاھی کے نام سے موسوم ھے۔ اس کے بعد فاضل مؤلف نے خواجہ بندہ نواز، محمود گاواں، عبدالرحیم خانخاناں اور جوھر آفتابچی کے مختصر حالات اور تصانیف کے اقتباسات دیے ھیں۔ پھر مخدوم لطف‌اللہ نوح کا ذکر کیا ھے جو ھالا (سندھ) کے رھنے والے تھے اور جنھوں نے پورے کلام مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ مخطوطے کی شکل میں مخدوم طالب المولیٰ کے کتب خانے محفوظ ھے۔[۱] مخدوم نوح نے ۱۵۹۰ء میں انتقال کیا، گویا شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمۂ قرآن مجید سے تقریباً پونے دو سو سال پہلے مخدوم نوح نے اپنا ترجمہ پیش کردیا تھا، یہ فاضل مؤلف کی نہایت اھم دریافت ھے۔ اس کے بعد

۱- یہ ترجمہ تمام و کمال سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے سنہ ۱۴۰۱ھ میں چھپ گیا ھے۔

منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی کا ذکر ہے جس کا انتقال ۱۵۹۷ء میں ہوا۔ پھر معصوم نامی کا تذکرہ ہے جو تاریخ معصومی کے مصنف ہیں، یہ تاریخ محمد بن قاسم کے زمانے سے ۱۵۹۲ء تک کے زمانے پر محیط ہے۔ پھر طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کا ذکر ہے، اس کے بعد گلبدن بیگم کا بیان ہے جن کی کتاب ہمایوں نامہ مشہور ہے۔ پھر ابوالفضل کا تذکرہ ہے جو اکبر نامہ، عیار دانش، آئین اکبری اور انشائے ابوالفضل کا مصنف ہے۔ اس کے بعد قاضی نوراللہ شوستری کا ذکر ہے جو مجالس المومنین کے مصنف ہیں۔ پھر نورالدین محمد ظہوری کا تذکرہ ہے جس نے ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس کا پیش لفظ لکھا تھا، جو سہ نثر ظہوری کے نام سے معروف ہے۔ یہ پیش لفظ نہایت مرصع اور صنائع بدائع سے آراستہ پر تکلف اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ ظہوری کے بعد محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ کا بیان ہے جس کی تاریخی کتاب گلشن ابراہیمی، تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تاریخ سولھویں صدی کے آخری سالوں میں لکھی گئی۔ فرشتہ کے بعد خواجہ باقی باللہ اور شیخ احمد سرہندی کا ذکر ہے جو مجدد الف ثانی کے نام سے معروف ہیں۔ پھر زبدۃ المقامات کے مصنف محمد ہاشم برہان پوری کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد عبدالحق محدث دہلوی کا اور پھر بادشاہ نامہ کے مصنف عبدالحمید لاہوری کا۔ اس کے بعد محمد صالح کنبوہ کا ذکر ہے جس نے عمل صالح کے نام سے شاہجہاں کے دور کے مفصل حالات لکھے ہیں، پھر شیخ فرید بھکری مؤلف ذخیرۃ الخوانین کا بیان ہے جس کے بعد جہانگیر، شاہجہاں اور طاہر محمد کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد دارا شکوہ

عالمگیر، وحدت ابن خواجہ محمد سعید، سر خوش، عالی اور خافی خاں کا بیان ہے، پھر شاہ نواز خاں، مرزا مظہر جانجاناں، غلام حسین طبا طبائی، شیخ محمد اعظم، غلام حسین سلیم، علی شیر قانع، عطا محمد، امام بخش صہبائی، شیفتہ اور شبلی نعمانی کا۔ شبلی نثر نگاروں کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔

غرض مجموعی طور پر برعظیم پاکستان و ہند میں لکھی جانے والی فارسی نظم و نثر کا یہ تذکرہ ایک معرکۃ الآرا تالیف ہے کہ فاضل محقق نے ہر مصنف کے بارے میں ضروری کوائف بھی جمع کردیے ہیں، اُن کی تخلیقات و تالیفات کا ذکر بھی کر دیا ہے اور تحریر کے نمائندہ نمونے بھی پیش کردیے ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی تیسری انگریزی کتاب "اسٹڈیز اِن لٹریچر" یعنی ادبی مطالعے کے عنوان سے حال میں شائع ہوئی ہے۔ یہ مجموعہ مقالات انھوں نے اپنے مرحوم بھائی حاجی نذیراحمد خاں کے نام معنون کیا ہے۔ کتاب کا عنوان اگرچہ ادبی مطالعے ہے لیکن درحقیقت اس میں شامل مقالات زیادہ تر تاریخی و سوانحی نوعیت کے ہیں۔ پہلا مقالہ سندھ کے نقش بندی صوفیہ و اکابر کے بارے میں ہے۔ فاضل محقق نے اس مقالے میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور بڑی چھان بین کے بعد نقش بندی سلسلے کے اُن اکابر و اصاغر کا سراغ لگایا ہے جو سندھ سے تعلق رکھتے ہیں، اور نہ صرف اُن کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں بلکہ اُن کی تصنیفات، تالیفات، مکتوبات اور ملفوظات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مقالے کے آخر میں منابع و مصادر کی مفصل فہرست بھی دے دی ہے تاکہ اگر کوئی اور محقق مزید کام کرنا چاہے تو اسے سہولت ہوجائے۔ دوسرا مقالہ شیخ عبدالحق

محدث دھلوی کے بارے میں ہے ۔ اِس میں بھی شیخ محدث دھلوی کی زندگی اور نگارشات پر تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔ تیسرا مقالہ پاکستان میں غزنوی ورثے کے بارے میں ہے ۔ اِس مقالے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے غزنوی سلاطین کا مختصر سا حال بیان کر کے اُن اثرات کی نشان دھی کی ہے جو غزنوی دور کے سلاطین، امرا، ماھرین تعمیر، بزرگان دین، فوجی ماھرین، طب و جراحت کے ماھرین، زبان و ادب کے ماھرین اور دوسرے لوگوں نے سر زمین پاکستان کی زندگی، علوم و فنون اور دوسرے پہلوؤں پر ڈالے ھیں۔ یہ مقالہ صرف چند امور کی طرف توجہ دلاتا ہے جن پر مزید تحقیق کرنے کی ضرورت ہے ۔ چوتھا مقالہ خواند میر کی لکھی ھوئی تاریخ موسوم بہ خلاصۃ التواریخ کے بارے میں ہے۔ فاضل مؤلف نے پروفیسر براؤن اور پروفیسر سعید نفیسی کی غلطیوں کی اصلاح کرتے ھوئے اس کتاب کے بارے میں صحیح اور مستند معلومات فراھم کی ھیں۔ پانچواں مقالہ اردو کے ایک غیر معروف شاعر خاکی کی صوفیانہ شاعری سے متعلق ہے ۔ اس مقالے میں بھی ادبی تاریخوں میں درج کردہ بعض باتوں کی تصحیح کی گئی ہے اور خاکی کے کلام کی تفصیل بھی دی گئی ہے، اور نمونے بھی اور اس کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ چھٹا مقالہ شاہ راجو قتال کے ایک ایسے قصیدے کے بارے میں ہے جس کا عنوان ہے "تحفۂ نصائح" اور جس کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ دو لسانی ہے یعنی ھر شعر کا جو فارسی میں ہے، اردو میں بھی شعری ترجمہ ساتھ ساتھ کر دیا ہے ۔ فارسی اصل تو شاہ راجو قتال کے قلم سے ہے لیکن اردو شعری ترجمہ کسی اور شاعر نے کیا ہے جس کا تخلص قطبی یا رازی تھا ۔ قصیدہ متصوفانہ موضوعات و مضامین پر مشتمل ہے اور ترجمہ دکنی زبان میں ہے۔

ساتواں مقالہ مسلمانوں اور خاص طور سے غزنویوں کے علم اور جھنڈوں کے بارے میں ہے۔ یہ بھی فاضل محقق کی تحقیق و تفتیش پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہودیوں، پھر قبل اسلام عربوں اور پھر عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جو علم اور جھنڈے مختلف حکومتوں اور لشکروں نے استعمال کیے تھے اُن کی تفصیل دی ہے اور پھر خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے جھنڈوں کا ذکر کرکے خصوصی طور پر غزنویوں پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے اور اس سلسلے میں شعرائے عہد غزنوی کے کلام سے بھی اسناد فراہم کی ہیں۔
آٹھویں مقالے میں 'زیب النساء بنت اورنگ زیب عالمگیر کے نام اُس کے روحانی مرشدوں؛ خاص طور سے عبدالاحد وحدت کے مکتوبات کو جو ابھی تک کہیں شایع نہیں ہوئے ہیں روشنی میں لایا گیا ہے۔
نواں مقالہ ایک نقش بندی بزرگ حضرت جلال ہراتی کی ایسی تحریروں کے بارے میں ہے جو ابھی تک گوشہ گمنامی میں تھیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کو جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے ذاتی کتب خانے میں ملیں، یہ مذہبی نوعیت کی تحریریں ہیں جو تفسیر اور تصوف سے تعلق رکھتی ہیں، بیچ بیچ میں اشعار بھی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حضرت جلال ہراتی شاعر بھی تھے اور جلالی تخلص کرتے تھے۔
دسواں مقالہ پھر تاریخ سے تعلق رکھتا ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب نے تالپوروں کے دور کے ٹھٹہ کے شاعر عظیم کے دیوان سے اُس کے بارے میں جو تاریخی معلومات دستیاب ہوتی ہیں اُن پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مقالے میں پس منظر کے طور پر ڈاکٹر صاحب نے تالپوروں اور کلہوڑوں کے دور کے حالات بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ اس طرح سندھ کی تاریخ بھی جزوی طور پر قلمبند ہو گئی ہے۔ گیارھویں مقالے میں فاضل مصنف نے اندرونی

شہادتوں کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ لکھنؤ سے جو دیوان سنہ ۱۹۱۶ء میں دیوان ظہیر فاریابی کے عنوان سے شایع ہوا تھا اس کا بیشتر حصہ ظہیر فاریابی کے قلم کا مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ ظہیر اصفہانی کا لکھا ہوا ہے جو بہت بعد کا شاعر ہے۔ بارھواں مقالہ بر عظیم پاکستان و ہند کے قدیم ترین فارسی ترجمۂ قرآن مجید کے بارے میں ہے، یہ ترجمہ فاضل محقق کو ہالہ (سندھ) میں مخدوم طالب المولیٰ کے کتب خانے میں ملا، مترجم کا نام مخدوم لطف اللہ نوح ہے اور وہ سولھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب تک خیال کیا جاتا تھا کہ اٹھارھویں صدی میں شاہ ولی اللہ نے جو کلام مجید کا فارسی ترجمہ کیا تھا وہ بر عظیم جنوبی ایشیا میں کیا ہوا پہلا فارسی ترجمہ ہے، لیکن مخدوم نوح کے ترجمے کی نشان دھی کے بعد شاہ ولی اللہ کے سر سے تقدم کا تاج چھن جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مخدوم نوح سے پہلے کے بیرون ہند کے ترجموں اور بعد کے شاہ ولی اللہ کے ترجمے سے مخدوم نوح کے ترجمے کا مقابلہ کر کے آخر الذکر کی امتیازی خصوصیات سادگی اور اصل متن سے زیادہ مطابقت قرار دی ہیں۔ تیرھواں باب کوئی مقالہ نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب نے اس میں علامہ آئی آئی قاضی کے چند خطوط جو انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے نام لکھے تھے یکجا کر دیے ہیں۔ اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کتاب کے اس مختصر سے تجزیاتی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی اولین حیثیت ایک محقق کی ہے جن کے طرزِ تحقیق اور اندازِ پیشکش سے نوجوان ریسرچ اسکالر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔